انجمن اصلاح سخن

کے

ایک مشاعرہ کی چند غزلوں کا مجموعہ

مرتبہ

مرزا واجد حسین یاسؔ

منصرم انجمن اصلاح سخن پٹنہ عظیم آباد

مطبع راجنیت پٹنہ میں چھپا

سنہ ۱۹۱۱ء

قیمت ۴ر

خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا (سائل دہلوی)

مصرعہ ہذا دہلی کے ایک گلدستہ سے لیا گیا تھا اور اسی طرح پر اہل عظیم آباد کی خدمت میں طبع آزمائی کی التجا کی گئی تھی۔ چنانچہ بتاریخ ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کو ایک یادگار مشاعرہ جناب اُستادی خان بہادر مولانا شاد قبلہ مدظلہٗ العالی کے دولت خانہ پر بجسن تمام اختتام پایا۔ یادگار اس معنی سے کہ مصرعہ طرح بادی النظر میں آسان نہ تھا اور دہلی کے گلدستہ کو دیکھکر اور بھی یاس ہوئی کہ جب وہاں کے شعرائے اہل زبان اس طرح میں کامیاب نہ ہو سکے تو اور کوئی کیا امید کر سکتا ہے۔ مگر بحمد اللہ اہل عظیم آباد نے طرح مذکور میں ایسے ایسے شعر نکالے کہ مذاق سلیم بغیر محظوظ ہوے رہ نہیں سکتا۔ شہر کے اہل فن قریب قریب سب جمع تھے جن میں سے حضرت شاد خان بہادر حضرت بیتاب عظیم آبادی حضرت آزاد عظیم آبادی کے نام نامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شعرائے لکھنؤ میں سے جناب مولوی سید کاظم صاحب جاوید قبلہ نے اور جناب بیتاب صاحب نے اپنی اپنی غزلوں سے خاکسار کو ممنون و مشکور فرمایا

نیازمند مرزا واجد حسین یاس
عظیم آبادی

مصرعۂ طرح

خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امداد۔ جناب سید عنایت حسین صاحب تلمیذ جناب خان بہادر رشا

شمع کے عشق میں پروانہ وفا کوش رہا
جل مرا سوزِ محبت میں یہ خاموش رہا

یاد میں مصحفِ رخسار کی مدہوش رہا
ماسوا اسکے جو مضموں تھا فراموش رہا

دورِ ساغر سے نہ تھی کم تری مستانہ نگاہ
ڈالی جس سے نہ تا عمر اُسے ہوش رہا

جسطرح ساز میں نغمہ کی صدا ہو پنہاں
غم و اندوہ ہماری یوں ہی ہمدوش رہا

اوّل دور ہو یا آخر دور اے ساقی
کس گھڑی میں ترے احسان سے سبکدوش رہا

نہ کھلا یہ کہ وہ تھا انجمن آرا پھر کیوں
نگہِ طالبِ دیدار سے روپوش رہا

دوش پر جسنے خم مے کو اُٹھایا ساقی
کل گناہوں سے وہ تا حشر سبکدوش رہا

باکمالوں کو زمانہ نے ابھارا ہے مگر
جیتے جی اُنکا ہمیشہ یہ ہنر پوش رہا

تیرے آجانے سے دو چار دن اے فصلِ بہار
نو عروسانِ گلستاں کو عجب جوش رہا

کام آئی مری مٹی کہ ہوا یوں پامال
میں رہِ دوست میں خاکِ تہِ پاپوش رہا

وہ نہ بھولا مجھے اللہ رے وفاداری دوست
میں سمجھتا تھا کہ میں اُسکو فراموش رہا

تنکے چنوا دئے الفت نے گلوں کی آخر
گھر جو بلبل نے بنایا کبھی تو خس پوش رہا

توسنِ عمر کی شائستہ روی کیا کہئے
تھا صبا سے کبھی آگے کبھی ہمدوش رہا

ایک ساغر سے پلائی تھی مگر حیرت ہے
بے خودی چھائی کسی پر کوئی باہوش رہا

میرے چونکانے کو کیا کیا نہ جرس چلائے — میں مگر شورِ حوادث سے گراں گوش رہا

خوانِ نعمت بھی زمیں کیوں نہ چھپائی جاتی — آسماں سایہ فگن صورتِ سرپوش رہا

خارِ دامن سے اُلجھتے ہی رہے ای بلبل — پھول کی دیکھ شرافت کہ وہ خاموش رہا

کچھ ہوا ایسی چلی بحرِ جہاں میں اے موج — سر اُٹھانیکا حبابوں کو بھی اک جوش رہا

کھو گئے پھول کچھ اسطرح خزانکے آگے — رنگ و بو کا بھی غریبوں کو نہ کچھ ہوش رہا

پردہ رکھ لیگا وہی حشر کے دن بھی امداد — مدۃ العمر جو دنیا میں خطاپوش رہا

آزاد - جناب مولوی حافظ فضل حق صاحب عظیم آبادی

چشمِ ساقی کا رہا دھیان قدح نوش رہا — عمر بھر میں اسی اک جام سے مدہوش رہا

صبحِ پیری بھی ہوئی شام شبِ آخر آئی — میں وہی منتظرِ صبح بنا گوش رہا

آج آتا نہیں کیوں تا سرِ بالیں وہ کبھی — دھیان کل تک جو ترا شاہدِ آغوش رہا

کچھ کسی سے نہ کہی اور کسیکی نہ سنی — سامنا یار کا مُہرِ دہن و گوش رہا

نہ گئی محنتِ ناکامِ محبت برباد — تو نہیں تیرے تصور سے ہم آغوش رہا

شمع اُٹھوائی گئی تیز زبانی کے سبب — رہ گیا آئینہ محفل میں جو خاموش رہا

خبرِ بیخبری بھی نہ ہوئی کچھ مجکو — خوابِ ہستی بھی مجھے خواب فراموش رہا

واہ رے ہوش کہ پھر ہوش نہ آیا مجکو — میں نے یہ ہوش سنبھالا کہ میں بیہوش رہا

اپنی اپنی ہیں تہیں دو نہیں ساقی کی دہش — کیا گلہ گر کوئی عاقل کوئی مدہوش رہا

نطقِ بیجا سے جو تھا خوفِ زیانِ ہستی — صورتِ شمع میں اس بزم میں خاموش رہا

نبھتے دیکھا نہ کہیں اسفل و اعلیٰ کا نباہ — دم سفر کر گیا منزل میں ترح توش رہا

کون ساقی ہی مے ہوش ربا دی کس نے — ایک ہی جام میں اتنا نہ مجھے ہوش رہا

سر و سودائے غمِ عشق سلامت یارب
جسنے سر پہ لیا بار سبکدوش رہا

بجلیاں کوند گئیں آنکھ نہیں دیکھا کسنے
حسنِ شوخ اپنی تجلی میں بھی روپوش رہا

اپنے کانوں تو برائی نہ سنی یاروں کی
کیا سبکدوش رہا وہ جو گراں گوش رہا

ہمسخن کس سے رہا کس سے لڑائیں آنکھیں
منہ سے پھوٹی نہ مسی سرمہ بھی خاموش رہا

ناتوانی سے دمِ نزع نہ اٹھیں پلکیں
شوقِ دیدار مرا شعلۂ خس پوش رہا

جام گردش میں ہے رقص میں مینوش ہے
رات بھر محفلِ ساقی میں عجب جوش رہا

کوہکن کا یہ ہوا حال کہ سٹی بھولی
حال میرا جو سنا قیس بھی خاموش رہا

خیر کی کیا ہو توقع کہ ہوئی عمر آخر
سعی کے دن تو یہ آزاد زیاں کوش رہا

احقر - جناب منشی وزیر علیخاں شہسرامی تلمیذ رشید مولوی مولانا حسن شہسرامی

ہوش جب آیا تو اپنا نہ مجھے ہوش رہا
تیری یاد آئی تو خود ہی میں فراموش رہا

میں وہ ہوں رند کہ دیکھی نہ کبھی صورت مے
عمر بھر چشم سیہ مست کا مدہوش رہا

میرے ساقی کی نگہ پڑ گئی جس میکش پر
حشر تک بادۂ الفت سے وہ مدہوش رہا

سر تو تھا زانوئے دلبر پہ غشی کے باعث
دو گھڑی اور نہ کیوں ہائے میں بیہوش رہا

وصل کی شب مجھے حیرت تھی زباں تک نہ کھلی
رعبِ حسن آپکا مہرِ لبِ خاموش رہا

لب کھولا کبھی تا زیست برنگِ تصویر
میں مرقع میں سدا دہر کے خاموش رہا

اپنی کہنے کیلئے بنگیا گونگے کی زباں
تیری سننے کے لئے میں ہمہ تن گوش رہا

ایک قطرہ مئے اطہر کا نہ پائیگا کوئی
حشر میں گر لبِ کوثر پہ ملا نوش رہا

کہتے دنیا ہیں جسے حق کا ہے نعمت خانہ
آسماں خوانچۂ دہر کا سرپوش رہا

آنکھ اٹھا کر نہ نکیرین کو دیکھا ہرگز
منہ چھپائے ہوئے میں قبر میں خاموش رہا

کچھ سمجھ میں نہیں بات آتی ہے پروانے کی
شمع جلتی رہی مجلس میں وہ خاموش رہا

صاف پردہ سے عیاں ہوتا ہے جلوہ اُسکا
سخت حیرت ہے کہ بے پردہ وہ روپوش رہا

دُردِ مے تک نہیں احقر سے ہی بچنے والی
اور بھٹی میں جو دو دن یہ بلانوش رہا

آرزو ۔ جناب نواب ابوالحسن خانصاحب تلمیذ جناب نواب سید عباس صاحب سعید عظیم آبادی

کچھ دنوں بادہ پرستی کا عجب جوش رہا
جب بہار آئی تو مطلق نہ مجھے ہوش رہا

شب کو مہماں جو مرا وہ بتِ مے نوش رہا
دین و دنیا کا ذرا بھی نہ مجھے ہوش رہا

ابکی تو فصلِ بہاری کا عجب جوش رہا
زاہد گوشہ نشیں تک بھی قدح نوش رہا

بعد مدت کے ہوا وصل تو کیا خاک ہوا
رات بھر شرم کے پردہ میں وہ روپوش رہا

ہیں وہ مے نوش تھا ساقی کہ مرے مرنے پر
مدتوں میکدہ میں غم کا مرے جوش رہا

آہ کرتا جو میں ای چرخ تو جلجاتا تو
کی ضعیفی پہ نظر تیری جو خاموش رہا

اپنی آنکھوں میں سمایا وہ نگاہوں کیطرح
پھر بھی وہ پردہ نشیں نظروں سے روپوش رہا

حشر کو پھاڑتا اٹھا میں گریبانِ کفن
بعد مرنے کے بھی وحشت کا وہی جوش رہا

اپنے نزدیک تو میخانہ ہے جنت ساقی
حزن و غم دور رہا رنج فراموش رہا

در سے ہر لب کو تری ہی ساقی کی پکار
اور باقی تو نہیں اب کوئی مے نوش رہا

ہر نفس میں ہے عنایت پہ عنایت تیری
تیرے احسان سے کوئی نہ سبکدوش رہا

زیرِ خنجر بھی نہ تڑپا میں ذرا او قاتل
مرتے مرتے بھی میں کس درجہ وفا کوش رہا

آرزو عشق تھا کس گل کا ترے دل میں نہاں
بعد مرنے کے جو مرقد ترا گلپوش رہا

آزاد ۔ جناب رائے بھوانی پرشاد صاحب تلمیذ حضرت شاد مدظلہ عظیم آبادی

جب سے دیکھی ہے جھلک تیری عجب جوش رہا
آج تک بھی نہ سر و تن کا مجھے ہوش رہا

میں وہ عاشق ہوں کہ اکدن تری دیکھی جو جھلک
مرتے مرتے بھی محبت کا وہی جوش رہا

اے گل تر میں سناؤں تجھے کیا اپنا حال
خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا

کردیا ترک ترے واسطے سارا ساماں
عمر بھر جا کے کسی بن میں میں روپوش رہا

کیا خوشی سے یہ کٹی آج شبِ وصل مری
شام سے تا بہ سحر اُس سے ہم آغوش رہا

مسلکِ شوق میں دم بھر بھی نہ پیچھا چھوڑا
ہمقدم یار کا میں صورتِ پاپوش رہا

تو نے جس روز سے در بند کیا اے مہوش
مدتوں تک ترا آزاد بھی روپوش رہا

اکبر:۔ جناب سید اکبر علی صاحب تلمیذ جناب نواب سید عباس صاحب سعید

آکے میخانہ میں کمظرف جو بیہوش رہا
وہ بھی میکش تجھے ساقی نہ فراموش رہا

مے ملی یا نہ ملی اسکا گلہ کیا ساقی
رنج اسکا ہے کہ میں تجھکو فراموش رہا

کتنی مے دی مرے ساقی نے مجھے کیا معلوم
جام میرا تو ہمیشہ تہِ سرپوش رہا

ڈھال کر جام میں ساقی نے قیامت کردی
مے رہی شیشہ میں جبتک تو عجب جوش رہا

ریگ صحرا ترے کشتے کو بھی چادر کے عوض
باوفا بے کفنی پر بھی کفن پوش رہا

تھا بسِ مرگ بھی عاشق کو ترے ذکر سے کام
قتل کے بعد بھی الفت کا وہی جوش رہا

نہیں معلوم مرا زخمِ جگر کیسا ہے
چارہ گر دیر تلک دیکھ کے خاموش رہا

یہ شعر حاصل مشاعرہ ہے۔

کس قیامت کا فسانہ ہے ترے عاشق کا
غیر بھی بزم میں آکر ہمہ تن گوش رہا

تیرے عشاق پہ الفت میں ستم کیا نہ ہوا
اُسپہ بھی عشق و محبت کا وہی جوش رہا

شعرا مان ہی جائینگے تمھیں اے اکبر
کچھ دنوں مشقِ سخن کا جو یہی جوش رہا

بصر:۔ جناب مرزا ولایت حسین صاحب

دل میں دریاے محبت کا بڑا جوش رہا
ضبط سے کام لیا ہجر میں خاموش رہا

بستر غم پہ تڑپتے رہے شب بھر اغیار
رات کو ہمسے وہ مہرو جو ہم آغوش رہا

روح خود جسم کے محمل کو لئے ہے سر پر
بار احسان ہے میں غیروں کے سبکدوش رہا

کب وہ آئے مری بالیں پہ گئے کب اُٹھکر
کچھ خبر مجھکو نہیں ایسا میں بیہوش رہا

اُف نہ کی ظلم سہے آپکے کیا کیا میں نے
یہ بھی آدابِ محبت تھا کہ خاموش رہا

غم میں یاران وطن کے نہ بصر کچھ تو جھو
مثل کعبہ کے مرا دل بھی سیہ پوش رہا

بیتاب: جناب مولوی سید علی خانصاحب عظیم آبادی تلمیذ رشید جناب شاد مدظلہ

شادمانی کا کبھی غم کا کبھی جوش رہا
ایک سودا رہا جب تک کہ مجھے ہوش رہا

جز تری یاد کے سب دل سے فراموش رہا
مرتے مرتے ترے دیوانہ کو یہ جوش رہا

غرق دریائے محبت دل پُر جوش رہا
اے خوشا قطرہ جو قلزم سے ہم آغوش رہا

رخ پر نور سے بس اُنکا اُٹھا تھا نقاب
کون کمبخت تھا ایسا کہ جسے ہوش رہا

روح پرور وہ صدا اور وہ تجلی جاں بخش
ہمہ تن چشم رہا میں ہمہ تن گوش رہا

لے سحر آئی ہے دم توڑ رہے ہیں عاشق
تو کہاں شام سے او وعدہ فراموش رہا

لڑکھڑاتے ہوے ہم تا لبِ کوثر پہونچے
بعد مرنے کے بھی ساقی کا ہمیں ہوش رہا

کیا اثر رکھتی ہے مستانہ نظر ساقی کی
جسکو مدہوش کیا اُسنے وہ مدہوش رہا

خود سفینہ مرا پہونچے گا لبِ ساحل تک
بحر امواج بقا کو جو یوں ہی پُرجوش رہا

تیر بسمل تو تڑپنے کو سمجھتا ہے حرام
نہ اُڑیں خون کی چھینٹیں یہ وفا کوش رہا

کیا برا حال ہے بلبل کا قفس میں صیاد
گو بہار آئی وہ خاموش کا خاموش رہا

خود سنبھالا مجھے ہر لغزش رندانہ نے
خود اثر بادہ گلگون کا خطا پوش رہا

نظر آتا رہا ساقی رخِ نورانی گہ دست
جب مرے ہاتھ میں جام مے سرجوش رہا

دل ہو یا جان ہو یا چشم تماشائی ہو
جو ترا محرمِ اسرار تھا خاموش رہا

یہ بھی احساں ہے جو اُسنے نہ دیا کوئی جواب
شوق و امید کا حامی لبِ خاموش رہا

اضطراری حرکت تھی تری اے دل یہ بھی
شبِ امید میں اتنا جو تجھے جوش رہا

ساقیا بزم میں یہ فرقِ مدارج کیسا
کوئی مدہوش ہے پی کر کوئی باہوش رہا

شمع سے رہ گیا پروانہ لپٹ کر اے دل
موت کیوں تجکو نہ آئی تجھے کیوں ہوش رہا

بے دھڑک بھیڑ میں محشر کی وہ آنا تیرا
دیکھ لینا جو کسی ایک کو بھی ہوش رہا

جان لیتی ہے وہ آشفتہ نگاہی اُسکی
جسکو خاموش کیا اُسنے وہ خاموش رہا

مطمئن قلب ہوا راحتِ روحانی ہے
اب وہ شوق کی تکلیف نہ وہ جوش رہا

درد اُٹھتے ہی تڑپنے لگا نامحرمِ راز
جو ادا سے تری واقف تھا وہ خاموش رہا

رازِ سربستۂ میخانہ نہ کھلنے پایا
آشنای لبِ ساغر لبِ مینوش رہا

درد رہ رہ کے مرے دلمیں اُٹھا کرتا ہے
میں تجھے اور نہ تو مجکو فراموش رہا

بار احساں ہے تری تیغ کا قاتل ورنہ
سر تھا جب تک مری گردن پہ سبکدوش رہا

بجھنے والا نہیں اے روح کبھی تیرا چراغ
نہ رہیگا نہ کسیوقت وہ خاموش رہا

اک شبِ ہجر پہ موقوف نہیں اے بیتاب
جب پڑی سخت مصیبت تو میں خاموش رہا

بیتاب جناب سید حسین صاحب لکھنوی شاگرد رشید جناب وحید لکھنوی

دل میں کیا کیا نہ محبت کا تری جوش رہا
صورتِ شمع مگر میں یونہی خاموش رہا

دلکا خوں ہو گیا اسکا نہ مجھے ہوش رہا
جتنی مے گر گئی اُتنا ہی مجھے جوش رہا

ارنی کہنے کی کچھ شرم تو آئی ہوتی
ایک ہی جلوہ میں اتنی تھیں ہوش رہا

موسمِ گل بھی گیا فصلِ خزاں بھی گذری
ایک حالت پہ دلِ زار ترا جوش رہا

آپ تو اٹھ گئے بالیں سے مریض غم کی
ایسا بیہوش ہوا پھر نہ اسے ہوش رہا

دل نے اور ہمنے یوہیں رات گزاری غم کی
ایک ہشیار رہا دوسرا بیہوش رہا

ادب آموز تھے دیوانۂ وارفتہ مزاج
تم نہ جب تک رہے محفل میں بڑا جوش رہا

گیسوؤ رخ کی محبت میں بسر ہوتی ہے عمر
دن کو ہشیار رہا رات کو بیہوش رہا

چھوڑ کر سینے پہ خنجر کو مرے ہٹ گیا وہ
ذبح کر کے مجھے قاتل تو سبکدوش رہا

پھر کہاں زانوے دلدار کہاں سر میرا
ہوش آیا بھی تو میں جانکے بیہوش رہا

اب نہ پیکان ہے سینے میں نہ پیکاں کا خیال
خون جب تک رہا دل میں مرے اک جوش رہا

رہ کے پہلو میں مرے دل نے ستایا کیا کیا
آپکا پاس تھا محفل میں جو خاموش رہا

مختصر یہ ہے کہ اک آہ کی وقتِ آخر
عمر بھر چاہنے والا ترا خاموش رہا

میرے چپ رہنے نے مجرم انھیں ٹھہرایا
اب پشیماں ہوں کہ کیوں حشر میں خاموش رہا

تمنّا :- جناب سید علی موسےٰ صاحب تلمیذ جناب زاور حسین صاحب خبر عظیم ابادی

ساقیا مجھکو وہ الفت کا تری جوش رہا
جس سے میں پینے کے پہلے ہی نہ کچھ ہوش رہا

شاہ کا روز ولادت ہے غزل کہہ نہ سکا
اسقدر فرط مسرت سے میں مدہوش رہا

ہر طرف سارے زمانہ میں رہا اک اندھیر
جب تلک گیسوے محبوب سر دوش رہا

ایک ساغر بھی نہ ساقی نے دیا بھر کے مجھے
مدتوں میکدہ کے در پہ میں مے نوش رہا

کاگ اڑتے ہی دھواں نکلے مئے ناب اڑی
بند جب تک رہی شیشے میں تو اک جوش رہا

بزم برخاست ہوئی کب یہ خبر کچھ نہ ہوئی
ایسا میں جلوہ محبوب سے مدہوش رہا

مرتے مرتے بھی رہا دھیان مرے دل میں ترا
سب فراموش رہے تو نہ فراموش رہا

مضمحل کر دیا دنیا نے تمنّا مجکو
دل میں وہ جوش نہ وہ سر میں مرے ہوش رہا

تمنا:- جناب سید محمد محی الدین صاحب عمادی پھلواروی

جبتلک دور میں جام مئے سرجوش رہا
اک نہ اک زاہد صد سالہ کبھی مدہوش رہا

شب کو مجھسے مرا ساقی جو ہم آغوش رہا
رات بھر شکل مئے ناب مجھے جوش رہا

وصل کی رات کوئی بات کبھی منہ سے نکلی
یوں تو کہنے کو میں کہدوں کہ مجھے ہوش رہا

میری بالیں پہ وہ اغیار کے ساتھ آئے تھے
یہ سبب تھا کہ میں بیہوش کا بیہوش رہا

وصل کی رات عبث بادہ کشی کی گھڑی
نہ مجھے ہوش رہا کچھ نہ انھیں ہوش رہا

موت نے روح کو آزاد کیا کچھ نہ کیا
میں تو بالیں پہ بیہوش کا بیہوش رہا

میری فریاد کا بلبل نے اڑایا تھا رنگ
کیا تعجب جو ہر اک گل ہمہ تن گوش رہا

روز روشن کا کئی بار ہوا شک مجھکو
یہ شب وصل اثر صبح بناگوش رہا

محفل وعظ کی ڈھونڈو نکو خبر کر واعظ
فخر ہوگا جو کوئی رند قدح نوش رہا

نہ ہوئی اہل فلک کو خبر مے نوشی
رات بھر ابر سیہ میرا خطا پوش رہا

کبھی چپ بیٹھنے مجھکو نہ دیا اس دل نے
شوق فریاد حریف لب خاموش رہا

ہجر کی رات تمنا جو میں جی سے گزرا
ایک عالم میرے ماتم میں سیہ پوش رہا

جاوید:- جناب مولوی سید بندہ کاظم صاحب قبلہ لکھنوی

یہ بھی اک شکر کی ہے بات کہ بیہوش رہا
خیر کچھ دیر غم ہجر فراموش رہا

خم کے خم پی کے وہی حرص وہی جوش رہا
راغب بادۂ سرخوش دل مے نوش رہا

اسکی ہمت کے فدا اسکے ارادے کے نثار
لذت دید کی حسرت میں جو بیہوش رہا

سر میت ہے مرے چپ رہنے کا چرچا کیوں ہے
مشق اک عمر کی تھی مر کے بھی خاموش رہا

صبر کہتے ہیں اسے منہ سے کبھی اف بھی نہ کی
شمع کی طرح سے جلجانے پہ خاموش رہا

تمکو دیکھا تھا تو لیتا کبھی بلائیں رُخ کی
غش کے آجانے سے لیکن نہ مجھے ہوش رہا

ابر کیس ڈر سے ستاروں نے کبھی آنکھیں اپنی
آسماں تیرگیٔ شب سے سیہ پوش رہا

خون ناحق کا نہ دھبا کبھی گیا دامن تک
تیغ کاندھے پہ رہی یوں کہ سبکدوش رہا

صفحۂ قلب پہ عشاق نے کھینچا نقشہ
بزم میں صورت تصویر وہ خاموش رہا

بزم میں آئے کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے کبھی لیکن
کون پورا کہے سنبھال کسے ہوش رہا

جتنے پہلے کے تھے ٹوٹے ہوئے نشتر نکلے
فصد کے بعد مرے خون میں اک جوش رہا

فرق کچھ سلسلۂ صبر میں آنے نہ دیا
کی جو زنجیر نے فریاد میں خاموش رہا

آج تربت سے مری کچھ نہ کیا اُس نے کلام
کیا چراغ سر مدفن تھا کہ خاموش رہا

اُس طرف فصل جوانی تو ادھر عالم عشق
نہ انھیں ہوش رہا اور نہ مجھے ہوش رہا

حضرتِ شاد سے ملنے کا تھا جا دید کو شوق
آپڑی بات کچھ ایسی ہی کہ خاموش رہا

حسرت :- جناب حکیم غلام رسول صاحب تلمیذ جناب خان بہادر شاد

اِس قدر نشۂ ہستی میں میں بیہوش رہا
وعدۂ روز ازل مجھکو فراموش رہا

خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا
بعد مرنے کے بھی لاشہ مرا خس پوش رہا

وصل میں بھی نہ ہوئی دل کی تمنا پوری
رات بھر جلوۂ جاناں سے میں بیہوش رہا

میں نے خود پھیری چھری اپنے گلے پر قاتل
بار احساں سے بہرحال سبکدوش رہا

خاکِ پا کو تری آنکھ میں لگایا ساقی
تاج سر اپنا ترا جلوۂ پاپوش رہا

حشر تک فرقتِ ساقی نے ستایا مجھکو
یاد کرکے مئے اطہر کو میں غم نوش رہا

چرخ گردش میں رہا عرشِ معلّے کانپا
مگر اے نالۂ دل یار گراں گوش رہا

تیرے میخوار نے ساقی جو پیا جامِ الست
تا ابد ہوش نہ آیا اُسے بیہوش رہا

نہ ہوا دور کبھی صورتِ مارِ ضحاک
گیسوے یار ہمیشہ بہ سر دوش رہا

جب عیاں ہو گیا اسرارِ محبت مجھپر
بے زباں ہو کے میں اُس روز سے خاموش رہا

تیرے قدموں کی قسم صبحِ قیامت تک میں
سا قیا تیری مئے شوق سے مدہوش رہا

جلوۂ حسنِ بتاں دیکھ کے سکتہ سا ہوا
مثلِ تصویر کے تا عمر میں خاموش رہا

ہجر میں رنج سہا لاکھ اُٹھایا صدمہ
صبر سے کام نکالا کیا خاموش رہا

درِ میخانہ کو تا عمر نہ چھوڑا میں نے
خادمِ پیرِ مغاں ہو کے قدح نوش رہا

جسنے میری شبِ فرقت کی کہانی سن لی
پہروں سکتہ سا رہا پہروں وہ خاموش رہا

اپنے ساقی سے نہ گستاخ ہوا میں حسرت
لاکھ بیخود ہوا دل لاکھ میں بیہوش رہا

حیدر۔ جناب سید حسن حیدر صاحب شاگرد جناب شاد عظیم آبادی

بیخودی میں شبِ غم میں ہمہ تن جوش رہا
دھیان مرنے کا نہ جینے کا مجھے ہوش رہا

آہ تک کی نہ شبِ ہجر میں نالہ کیسا
یہ ہمارا ہی کلیجہ تھا جو خاموش رہا

بچ گیا حشر میں بھی پرسشِ اعمال سے میں
دامنِ آلِ محمد جو خطا پوش رہا

حال کھل جائیگا اُس رخ سے اٹھی بھی نقاب
کون بیہوش ہوا اور کسے ہوش رہا

جذبِ الفت نے اثر اپنا دکھایا بارے
اُنکا پیکاں مرے سینے سے ہم آغوش رہا

رہگیا عشق و محبت کا فسانہ باقی
قیس دنیا میں نہ فرہادِ وفا کوش رہا

میں یہ دکھا دونگا طبیعت کی روانی حیدر
بحرِ مواج سخن کو جو یونہیں جوش رہا

سجاد۔ جناب ڈاکٹر سجاد حسین صاحب

تیری الفت کا مرے دلکو عجب جوش رہا
تجھ پہ مرتا رہا جسوقت تلک ہوش رہا

راز کی بات ہے وہ جانتے ہیں یا وہ نگاہ
غیر کیا سمجھے اسے کیوں میں کفن پوش رہا

رحمتِ حق تجھے ای قیس تو وہ بیکس تھا — اک زمانہ ترے ماتم میں سیہ پوش رہا

کثرتِ شرم سے پھر منہ نہ دکھایا اسنے — حشر تک قبر میں خاطی ترا روپوش رہا

ایک فریاد میں اس چرخ کا رہتا نہ وجود — دھیان آیا مجھے تیرا جو میں خاموش رہا

بے خبر ایک زمانے سے رہا میں سجاد — پر فراموش نہ وہ یادِ فراموش رہا

شفق ۔ جناب حکیم وحید الدین صاحب تلمیذ جناب داغ دہلوی

سر میں جب تک اثرِ بادہ سر جوش رہا — غمِ دنیا بھی مرے دلسے فراموش رہا

ہے عبث تجھپہ یہ الزام کہ روپوش رہا — طالبِ دید کو دیدار کا کب ہوش رہا

اپنا دل سوزِ محبت نے جلایا ہر چند — میں مگر شمع صفت بزم میں خاموش رہا

فیض ساقی کا یہ تم کم نہ سمجھنا رندو — مَے سے محروم نہ ابتک کوئی مے نوش رہا

چشم پوشی تری اللہ رے گنہگاروں سے — دیکھا آنکھوں سے مگر پھر بھی خطا پوش رہا

حُسن کا رعب ترے قفلِ دہن تھا اپنا — حرفِ مطلب نہ ادا ہوسکا خاموش رہا

بلبل و گل کے اشارے کو کوئی کیا سمجھے — کچھ یہ کہتی رہی وہ ناز سے خاموش رہا

گل کی قسمت پہ مجھے رشک نہ آئے کیونکر — رات بھر سینۂ دلبر سے ہم آغوش رہا

پوچھے عنقا سے کوئی گوشہ نشینی کے صفات — ہوگیا شہرۂ آفاق جو روپوش رہا

دامِ گیسو کے اسیروں پہ نہیں کچھ موقوف — جو علائق میں پھنسا وہ نہ سبکدوش رہا

ہمیں شفق وعدۂ فردا میں بڑی گنجایش — وعدۂ یار اسی سے نہ فراموش رہا

شہید :- جناب میر اقبال حسین صاحب مظفر پوری شاگرد جناب نواب سید عباس صاحب سعید

وصل کی رات جو پہلو میں وہ مدہوش رہا — دلِ بیتاب کو الفت کا عجب جوش رہا

کون تھا وہ جو بسِ خم نہ پڑا تھا بیہوش — میں ہی مے نوش تھا ایسا کہ مجھے ہوش رہا

ہم تو حالِ دلِ بیتاب بیاں کرتے رہے
سر جھکائے ہوئے بالیں پہ وہ خاموش رہا

فصلِ گل آنے دے اے چاک گریباں تجکو
دھجیاں کرکے اُڑا دونگا اگر جوش رہا

رخِ تاباں سے نقاب اُنکے اُٹھادے اے شوق
اک جھلک دیکھ ہی لیتا جو مجھے ہوش رہا

شکر ہے جنبشِ ابرو نے کیا قتل مجھے
بارِ احساں سے میں خنجر کے سبکدوش رہا

وصل کا لطف مِلا ہجر کی راتوں کو مجھے
تیری تصویرِ خیالی سے ہم آغوش رہا

تیرے پازیب کی آواز کو سننے کے لئے
صحنِ گلشن میں ہر اک گل ہمہ تن گوش رہا

کشتیِ عمر کی اک روز تباہی ہے ضرور
چشمۂ چشم میں اپنے جو یہی جوش رہا

مجھ سا عریاں کبھی نہ دنیا میں ہوا ہوگا کوئی
مدتوں تک مِرا لاشہ نہ کفن پوش رہا

اک نیا رنگ دکھائیگی غزل اپنی شہید
کچھ دنوں اور جوانی کا اگر جوش رہا

شیدا :- جناب سید علی حیدر صاحب تلمیذ حضرت شاد مد ظلہ عظیم آبادی

بارِ عصیاں سے قیامت میں سبکدوش رہا
میرے سر پر جو وہ دامانِ خطا پوش رہا

ہوں وہ بلبل کہ اسیری میں بھی یہ جوش رہا
کہ گلستاں کا سبق تک نہ فراموش رہا

فکرِ عقبیٰ کی نہ دنیا کا مجھے ہوش رہا
دونوں عالم تری الفت میں فراموش رہا

دل کی آنکھوں کو نظر آگیا جلوہ اُسکا
چشمِ مشتاق سے ہر چند وہ روپوش رہا

میں فدا تیری کریمانہ روش پر ساقی
تو ہر اک حال میں رندوں کا خطا پوش رہا

خوش ہوں غربت میں اُٹھا میرا جنازہ اے موت
خیر احسانِ احبا سے سبکدوش رہا

تجھ سے آہیں مری لے لیتیں جفاؤں کا عوض
کچھ سمجھ بوجھ کے اے چرخ میں خاموش رہا

سوگ رکھا ہے کس آہوئے حرم کا یارب
آج تک خانۂ کعبہ جو سیہ پوش رہا

ناوکِ ناز نہ بھولوں گا یہ احساں تیرا
مدت العمر مرے دل سے ہم آغوش رہا

ہائے بے غم میں مرے سوگ نشینی آنکی
برسوں بکھرا ہوا گیسو بہ سرِ دوش رہا

روئے آبلے دیکھی جو مری حالتِ زار
خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا

غم کو غم اور مصیبت کو مصیبت سمجھیں
مجکو اتنا بھی نہ اُلفت میں تری ہوش رہا

کب ہٹائی کسی بے درد نے چہرے سے نقاب
وائے حسرت کہ نہ باقی مجھے جب ہوش رہا

خلوتِ دوست میں محبوب نے رکھے جو قدم
دستِ جبریلِ امیں حاملِ پاپوش رہا

حشر میں بھی ہوئی موقوف نہ اس دل کی تڑپ
میں تری یاد سے دم بھر نہ فراموش رہا

دل کے ہمراہ گیا ولولۂ شامِ شباب
صبحِ پیری میں نہ شیدا مجھے وہ جوش رہا

فدا۔ جناب فدا حسین صاحب جونپوری ۔

وہ جوانی نہ رہی اور نہ وہ جوش رہا
ضعفِ پیری نے یہ ٹپکا کہ نہ کچھ ہوش رہا

ساقیا بزم میں جبتک میں قدح نوش رہا
خُم اُبلتے رہے مینا کو بھی اک جوش رہا

دار پر وار لگاتا وہ جفا کوش رہا
زخم ہنستے رہے کھِل کھِل کے میں خاموش رہا

تیری محفل سے نہ اُٹھیگا یہ حصہ ساقی
ایک کو بھی جو اگر لاکھوں میں کچھ ہوش رہا

مانگ لونگا میں تجھے داورِ محشر سے ضرور
مجکو اس بات کا اُس روز اگر ہوش رہا

عرصۂ حشر میں سب داد طلب تھے لیکن
ایک میں تھا کہ ترے خوف سے خاموش رہا

مر گیا اپنا گلا کاٹ کے خود ہجر کی شب
بارِ احساں سے میں قاتل کے سبکدوش رہا

ایک وہ ہیں کہ تری بزم میں پیتے ہیں شراب
ایک میں ہوں کہ تری بزم میں غم نوش رہا

یا تو فریاد مری پہونچی نہ اُن کانوں تک
یا سمجھ بوجھ کے خود ہی وہ گراں گوش رہا

ہم مئے عشق سے سرشار اُنھیں نشۂ حُسن
نہ ہمیں ہوش رہا اور نہ اُنھیں ہوش رہا

تجھ سے اقرار وفا کر کے بڑی چوک ہوئی
یہی اقرار تو مُہرِ لبِ خاموش رہا

اے فدا مجھ سے گنہ جتنے ہوئے تھے سرزد
سب کو دامن میں چھپائے وہ خطا پوش رہا

کمال - جناب سید رحیم الدین حسین خانصاحب تلمیذ حضرت شاد مدظلہ

میں تو ساقی ترے میخانہ کا مے نوش رہا
شکر ہے غیر کے احسان سے سبکدوش رہا

ہر گھڑی چاند سی تصویر رہی پیش نگاہ
جب تلک دل میں مرے عشق کا اک جوش رہا

اب تو بیمار محبت کی یہ حالت ہو گئی
کچھ کبھی ہوش رہا اور کبھی بیہوش رہا

جان دیدی مگر اُف تک نہ زباں سے نکلی
غم میں ایسے ہی کے کعبہ کبھی سیہ پوش رہا

ہائے کسطرح در و بام پہ کرتا میں نگاہ
اُس کے کوچہ میں ہو بیخبر نہ ذرا ہوش رہا

مر گیا تو کبھی نہ پوچھی کبھی حالت میری
آپ کے دل سے میں اسدرجہ فراموش رہا

بے اثر کیتے میرے نالے یہ بہت سچ ہے مگر
عمر بھر تو بھی تو اے چرخ گراں گوش رہا

اے کمال اپنی غرض عمر کا حاصل یہ رہا
میں وفا کوش رہا یار جفا کوش رہا

مرتضےٰ :- جناب سید اصغر حسین صاحب عرف مرتضےٰ

پاؤں کا کسکو بھلا سر کا کسے ہوش رہا
تیری محفل میں جو بیٹھا رہا مدہوش رہا

ایک لحظہ بھی کسی شخص کو سونے نہ دیا
تیرے دیوانے کو کل شب تو عجب جوش رہا

درد و غم رنج و الم ہجر کے سہتے سہتے
خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا

قیس کہتا تھا کہ سب چھوڑ گئے ساتھ اپنا
ایک ہمدم مرا تنہائی میں خرگوش رہا

ایک بوسہ پہ جو جھلا گیا مہرو میرا
رات بھر چھت پہ ٹہلتا لئے پاپوش رہا

سنتے ہی وصل کا پیغام کچھ ایسا بگڑا
کہ نہ تکیہ نہ بچھونا نہ پلنگ پوش رہا

جھوٹے جانباز جو تھے آج وہ سب بھاگ گئے
سر جھکائے ہوا اک خاص ہی گھوش رہا

چھا گئی مفلسی ایسی کہ بقول شاعر
مرتضےٰ خالی بہ یک بینی و دو گوش رہا

مقتول۔ جناب سید مرتضے نواب صاحب تلمیذ جناب شاد

دورِ اوّل ترا جب آئے پر جوش رہا
لطف اسکا ہے کہ بیہوش بھی ذی ہوش رہا

کس قیامت کی مے تند پلا دی ساقی
بے خبر دونوں جہاں سے ترا مے نوش رہا

سوزشِ دل سے رواں ہجر میں آنسو ہوتے ہے
پر تری طرح سے اے شمع میں خاموش رہا

وہ پکار اٹھے دل کہتا ہے میں نے تو سنا
تری شورش سے میں ای نفس گراں گوش رہا

وعدہ گہ میں وہ مجھی سرزنش کرتے رہے
سر جھکائے ہوئے میں شرم سے خاموش رہا

چھیڑ تو مجھ سے جو کرتا تو قیامت ہوتی
حشر میں لطف ترا میرا خطا پوش رہا

یہ مزا ہے کہ پئیں رند پلائے ساقی
لطف کیا جام میں گر بادۂ سر جوش رہا

کیا خبر مجھکو کہ کب آئی گئی کب شبِ وصل
میں تو اے زلف تجھے سونگھ کے مدہوش رہا

جب چلی بادِ مخالف تو کیا کام تمام
چنبرِ چرخِ کہن نام کو سر پوش رہا

ترے قدموں پہ ملائک نے ملا آنکھوں کو
عرشِ اعظم پہ ترا جلوہ پاپوش رہا

بخدا عشق ترا بارِ امانت ہے ترا
وہ تو انساں نہیں جو اس سے سبکدوش رہا

نظر آیا مرے آئینۂ دل میں سو بار
گو ترا حسن مری آنکھوں سے روپوش رہا

کبھی خم پر کبھی ساغر پہ نظر تھی ساقی
جب تلک بادہ پرستوں میں ترے ہوش رہا

وادیٔ عشق میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں واں
جیت لیتا ہوں یہ میداں جو یہی جوش رہا

منحصر ایک مجھی پر نہیں مقتول سن رکھ
اس خرابات میں جو آیا بلا نوش رہا

نادر۔ جناب ماشر علی جان صاحب

وہ جوانی نہ رہی دل میں نہ وہ جوش رہا
خار بنکر تری الفت میں تن و توش رہا

سچ تو یوں ہے مری الفت نے کیا اسکا اثر
رات بھر آکے تصور میں ہم آغوش رہا

تیری رسوائی کا ہر وقت رہا دل میں خیال
ضبطِ آہوں کو کیا سوچ کے خاموش رہا

دل نہ آیا مرے سینہ میں پلٹ کر افسوس
سچ تو یوں ہے کہ ندامت سے وہ روپوش رہا

کربلا کا بھی عجب واقعہ ہے درد انگیز
آسماں بھی تو اسی غم میں سیہ پوش رہا

آبرو حق نے تری رکھی ہے نادرؔ صد شکر
بارِ احساں سے زمانہ کے سبکدوش رہا

نہالؔ :- جناب نواب سید صادق حسین خاں صاحب عظیم آبادی تلمیذ حضرت شاد مدظلہ

پی کے ہیں بادہ سرجوش یہ بیہوش رہا
ساقیا وعدۂ فردا بھی فراموش رہا

ہجو مے کی تو بہت حضرتِ ناصح نے مگر
تھا جو مے نوش اسی طرح وہ مے نوش رہا

کیا کہوں ضبط نے کیا مُہر لگا دی مُنھ پر
لاکھ لوگوں نے کہے طنز میں خاموش رہا

اُف ری تاثیر چہکتی رہی بلبل جب تک
محوِ ہر نخل رہا گل ہمہ تن گوش رہا

آسماں نے کوئی نعمت نہ ہمیں چکھنے دی
بس یہی خوانِ کرم پر ترے سرپوش رہا

چشمِ تر تیری اثر خیز ہیں لہریں کچھ اور
یوں تو طوفاں سے سمندر کو بڑا جوش رہا

اے صبا آکے اجل نے وہ ہوا باندھی تھی
لالہ اس باغ میں آیا تو کفن پوش رہا

مرنے والے ترے مرجانے نے عزت رکھ لی
حشر تک دامنِ خاک اب تو خطا پوش رہا

پھر تو معلوم ہے نالوں میں اثر کی اُمّید
اپنے کانوں سے بھی جب سن کے وہ خاموش رہا

کوئی کیا ہجر کا شکوہ سرِ محشر کرتا
کچھ عجب ناز سے وہ وعدہ فراموش رہا

لاکھ منکر ہوں شہیدانِ وفا اُس پہ بھی
خونِ بے جرم سے قاتل نہ سبکدوش رہا

وہ ترا جلوۂ حسن اور وہ قیامت کا ہجوم
قابلِ دید تماشہ ہے اگر ہوش رہا

یوں تو خود جل کے کہیں حالتِ دل اے وفا
اور جو کانوں سے بھی سن سن کے وہ خاموش رہا

پی کے رند اُٹھ گئے سب سامنے آنکھوں کے نہالؔ
میکدہ بھر میں یہی ایک بلا نوش رہا

وحشی۔ جناب سید ظہیر حسن صاحب اسٹوڈنٹ

نشۂ حسن میں اپنے کوئی مدہوش رہا
اور ہیں عشق میں اُسکے ہمہ تن جوش رہا

دھجیاں کر کے رہِ دامنِ صحرا الونگا
موسمِ گُل میں گریباں کا اگر ہوش رہا

ایک ہی گھونٹ کی اللہ رے تیزی ساقی
حشر کے دن بھی خمارِ مئے سرجوش رہا

کیفیت طرفہ خراباتِ جہاں کی پائی
آکے اِس بزم میں ہشیار بھی بیہوش رہا

چشمِ بینا دلِ روشن بھی دیا انساں کو
مگر افسوس یہ احسان فراموش رہا

فرقتِ یار میں رو رو کے بسر کیں ایامِ
چشمۂ چشم میں دریا کی طرح جوش رہا

گردشِ چشم نہ تھی گردشِ افلاک سے کم
سر اُٹھانے کا بھی ساقی نہ مجھے ہوش رہا

نکتہ چیں تجھ سے ہو کیا دادِ سخن کی امید
عیب تو یاد رہے حسن فراموش رہا

گلشنِ دہر میں واشد نہ طبیعت کو ہوئی
صورتِ غنچۂ تصویر میں خاموش رہا

جامِ سرشار تھی وہ چشمِ عنایت وحشی
طلبِ مے کروں یہ بھی نہ مجھے ہوش رہا

وزیر۔ جناب سید وزیر نواب صاحب قبلہ رئیس عظیم آباد

فصلِ گل میں سر و پا کا نہ ذرا ہوش رہا
اِس برس بھی ترے وحشی کو بڑا جوش رہا

تیرا چہرہ جو کھلا رہ گیا اے ماہ لقا
شرم سے مہرِ فلک آنکھوں سے روپوش رہا

داستانِ شبِ فرقت جو سنائی شبِ وصل
مُنہ تو دیکھا کیا وہ شوخ پہ خاموش رہا

جب تلک آ نہ لیا بزم میں مہ سا میخوا
سامنے جام رکھے ساقی بھی خاموش رہا

سُن کے آواز تری حال قلم کا یہ ہوا
دیر تک لوح پہ سر ڈال کے مدہوش رہا

جلوۂ حسنِ رُخِ یار ہے بجلی کی تڑپ
دیکھکر شمع کو پروانہ بھی خاموش رہا

پاک کر دیتی ہے الحق ترے دیوانے کی خا
چھو گیا جو وہ گناہوں سے سبکدوش رہا

نامہ بر سے جو سنا اُسکے نہ آنے کا پیام
چوٹ کچھ ایسی لگی دل پہ کہ بیہوش رہا

تیری تعریف ہی خود حوصلہ افزا ساقی
میں تو کیا پیرِ مغاں تک بھی نہ خاموش رہا

تیرے میخانہ کی مٹی سے جو تھا اپنا خمیر
تا قیامت کے بھی اُس در پہ یہ مینوش رہا

تیرے بسمل کو جو تھا جوش تری الفت کا
قتل کے بعد لہو میں بھی وہی جوش رہا

سچ ہے دیکھیگا ترا جلوہ کن آنکھوں سے وردؔ
جبکہ موسیٰ سا اولوالعزم بھی مدہوش رہا

یاسؔ :- نیاز کیش مرزا واجد حسین عظیم آبادی تلمیذ جناب شادؔ

میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا
کشمکش میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا

نشۂ الفت ساقی کا عجب جوش رہا
ہولِ صحرائے قیامت بھی فراموش رہا

فکر انجام نہ آغاز کا کچھ ہوش رہا
چار دن تک تو جوانی کا عجب جوش رہا

دھوم سنتے رہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں
حشر تک میں یوں ہی کھولے ہوئے آغوش رہا

حالِ دل ہو گئے حسرت کی نگاہوں سے عیاں
ٹکٹکی باندھے ہوئے میں یوں ہی خاموش رہا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کون سے عالم میں جو پی
عمر بھر کسلئے محروم یہ مے نوش رہا

غیر ہوں جرعہ کشِ بزم تمنا افسوس
خون کے گھونٹ میں گھونٹا کیا خاموش رہا

ہیچ آفت نہ اسد گوشۂ تنہائی را
دشتِ غربت میں میں یہ سوچ کے روپوش رہا

اپنے سر سے بھی کسی روز گزر جائے گا
آبِ شمشیر کو قاتل جو یہی جوش رہا

سایۂ دامنِ قاتل میں جو نیند آئی مجھے
پھر تو کروٹ بھی بدلنے کا نہ کچھ ہوش رہا

کھل گئیں آنکھیں مری کوچۂ جاناں کیطرف
شکر ہے مرتے دم اتنا تو مجھے ہوش رہا

دور کھنچتی ہی گئی منزلِ مقصود مگر
رہروِ عشق کی ہمت کا وہی جوش رہا

موسمِ گل کی ہوا داروئے بیہوشی تھی
سر اُٹھانیکا بھی سبزہ کو نہ کچھ ہوش رہا

نکہت گل کی طرح جامہ سے باہر ہونگا
فصلِ گل کا جو گلستاں میں یہی جوش رہا

بحرِ رحمت میں بہت ہوگا تلاطم برپا
جلوۂ اشکِ ندامت جو یہی جوش رہا

رحمتِ حق رہی ہم عاصیوں پہ سایہ فگن
سر پہ چھایا ہوا اک ابرِ خطا پوش رہا

اُکھڑے اُکھڑے تھی رہی بزم کی مستانہ روش
چلتے چلتے بھی خم مے کو یہی جوش رہا

یاسؔ نے ساتھ نہ چھوڑا کبھی مرے مرتے
تیرے قدموں سے لگا صورتِ پاپوش رہا

شادؔ:- جناب خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ

رئیس اعظم عظیم آباد

آدمی لذتِ فانی سے ہم آغوش رہا
ہوش رکھتا تھا پہ افسوس کہ بیہوش رہا

صبر و خودداری و غیرت کا وہی جوش رہا
سر کٹا اُس پہ بھی بسمل ترا خاموش رہا

جامِ مے صلِّ علیٰ کیوں نہ ہو تجھ میں برکت
سایۂ دامنِ ساقی ترا سرپوش رہا

اُف رے تیرا وہ تبسم وہ نگاہیں ساقی
اُٹھ کے ساغر سے بھرے جام کسے ہوش رہا

شمع و پروانہ کی شوخی نے اُبھارا تو بہت
میں ہی ایسا تھا جو اُس بزم میں خاموش رہا

مدۃ العمر یہ مشتاق نگاہیں جو ملیں
میں جدا یار جدا بزم میں مدہوش رہا

کیوں نہ جھاڑیں تجھے مژگاں سے ہم اے کوچۂ یار
تو گزرگاہِ فقیرانِ نمد پوش رہا

دُردِ د صافی کا لحاظ آفتِ جاں تھا ساقی
وائے اِن بادہ کشوں پر کہ جنھیں ہوش رہا

حسن اے حسن جھکا دی مری گردن تو نے
عشق اے عشق تو ہی بارِ سر و دوش رہا

جل کے بھی جذبِ محبت نے نہ چھوڑا دامن
رات بھر شمع سے پروانہ ہم آغوش رہا

اوّل دور میں کیا ایسی پلا دی ساقی
خود میں کیا شے ہوں اسی کا نہ مجھے ہوش رہا

تو سُنے یا نہ سُنے اِس کا گلہ کیا لیکن
میرے نالوں پہ زمانہ ہمہ تن گوش رہا

آخری جام میں کیا بات تھی ایسی ساقی
ہو گیا پی کے جو خاموش وہ خاموش رہا

صدمۂ کشمکش کنج قفس کیا کہیے
بس یہ حد ہے کہ نشیمن بھی فراموش رہا

بے اجازت نہ دھرا کوچۂ جاناں میں قدم
با سعادت تھا وہ عاشق جو ادب کوش رہا

محو تھے خود ترے در کے فقرا کیا جانیں
کون سنتا تھا صدا کون گراں گوش رہا

ہو گئی بزم یکایک جلوۂ ساقی کے نثار
دوڑ کر مجھکو سنبھالے یہ کسے ہوش رہا

صدقے اُس بزم مقدس کے جہاں راتوں کو
ذکر بدمستیٔ یارانِ قدح نوش رہا

شاد پینسٹھ برس اس عمر کے گزرے لیکن
طرزِ یارانِ طریقت نہ فراموش رہا

شیدا:- جناب سید احمد رضا عرف لاڈلے صاحب بنارسی

میں تری یاد میں اسطرح سے مدہوش رہا
کہ غم روزِ قیامت بھی فراموش رہا

ہجر کی رات ملی مجھکو عجب لذت درد
بند آنکھیں کئے تا دیر میں خاموش رہا

تیرے عاشق نے کہا کیوں انا الحق اے دوست
کچھ تو تھا رازِ حقیقت کہ وہ خاموش رہا

ایک تم ہو کہ نہیں نام کو بھی تم میں وفا
ایک میں ہوں کہ وفا کا مجھے اک جوش رہا

کسکو یہ صبح سے دیتا ہے دعائیں دل زار
رات بھر خواب میں کون آ کے ہم آغوش رہا

تیرا بسمل تجھے بھولا نہ تہ خنجر بھی
تیری الفت کا دم ذبح بھی اک جوش رہا

تیرہ بختی نہ گئی مر کے بھی **شیدا** تیری
جسپہ دی جان وہ دم بھر نہ سیہ پوش رہا

اصلاح سخن

کا

نمونہ

جناب عمدۃ الفضلا شیخ علی باقر صاحب آبادؔ مرحوم (تلمیذ جناب شادؔ عظیم آبادی کا دیوان ہے۔ دیوان کیا ہے اک آئینہ ہے جس میں مجاز و حقیقت کی تصویریں ایک ہی قالب میں اس حسن سے جلوہ گر ہیں کہ اہل نظر دیکھکر ششدر رہ جاتے ہیں خواجہ آتشؔ مغفور کے ارشد تلامذہ جناب صباؔ اور جناب خلیلؔ کو اہل لکھنؤ استاد مانتے ہیں۔ اگر حضرتِ آبادؔ عظیم آبادی کے دیوان کو بنظر انصاف دیکھتے تو جناب صباؔ اور جناب خلیلؔ کی شاعری کو میں نہیں کہہ سکتا کن نظروں سے دیکھتے۔ یہ ایک ادنےٰ فیض ہے جناب شادؔ قبلہ کی تعلیم کا کہ اردو کے تغزل نے اپنی عریانی کو چھوڑ کر لباس زیبا اختیار کیا۔

دیوانِ آباد مسمّےٰ بہ **خورشید عرفاں** کی قیمت فقط چھ آنے ہیں اور ذیل کے پتہ سے مل سکتا ہے۔

منشی سید واجد علی صاحب ہلوری۔ صدر گلی پٹنہ

المشتہر

مرزا واجد حسین یاسؔ